خانوادہ گولڑہ شریف کی ادبی خدمات

گولڑہ شریف کو ایک علمی، روحانی اور ادبی مرکز بنانے کے سلسلے میں سلسلۂ چشتیہ کے عظیم روحانی بزرگ حضرت پیر مہر علی شاہؒ کی شان دار خدمات اور مساعی جلیلہ قابل ذکر ہیں۔آپ نے اپنی علمیت اور روحانیت کے ساتھ ساتھ شعروادب میں قابل ذکر خدمات سرانجام دیں۔روحانی اور علمی فیض کے ساتھ ساتھ کئی کتب بھی تصنیف فرمائیں۔آپ کے وصال کے بعد بھی علم وادب کا یہ مرکز اسی طرح روشن ہے اور اس خانوادے نے روحانیت اور علمیت کے ساتھ ساتھ ادب کے چراغ بھی روشن کر رکھے ہیں۔

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ:

خواجہ پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ (۱۸۵۹ء۔۱۹۳۷ء) ان نفوس قدسیہ میں سے تھے، جنھیں ''جامع العلوم'' کا شرف حاصل تھا۔علامہ مفتی سید شاہ حسین گردیزی کی ایک تحریر ملتی ہے جس میں انھوں نے لکھا ہے کہ:

> ''علمائے اسلام میں بعض ہستیاں بڑی جامع العلوم ہوگزری ہیں اور سینکڑوں علوم وفنون کی ماہر وکامل ہوئی ہیں ہمارے ماضی قریب میں حضرت شیخ عبدالعزیز پرہاروی صاحب نبراس تین سو سے زیادہ علوم وفنون میں مہارت رکھتے تھے۔حضرت شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی کا قول ہے کہ مجھے ایک سو پچاس علوم وفنون میں مہارت حاصل ہے۔اسی طرح حضرت مجدد گولڑوی بھی بے شمار علوم وفنون کے جامع تھے۔''

مثلاً آپ صرف، نحو، ادب، کلام، منطق، فلسفہ، فقہ، اصولِ فقہ، حدیث، اصولِ حدیث، اسمائے الرجال، التفسیر، تصوف اور ایسے ہی تمام علوم رسمیہ، کسبیہ کے عالم تو تھے ہی مگر ان فنون کے عالم تھے جو عام علمائے کرام کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں اور ان میں سے بعض کا ذکر آپ نے '' فتوحاتِ الصمدیہ'' دیباچہ میں کیا ہے۔مثلاً اقلیدس، علم الحروف، علم ہیئت، علم افلاک، علم ریاضی، علم سمع الکیان، علم ابطیرہ، علم البذور، علم السماء، علم العالم، علم الحیوان، علم النفس، علم الطب، علم فلاح، علم التعبیر، علم السیمیا، علم الکیمیا، وغیرہ ان علوم کے علاوہ کئی صدری علوم آپ کے سینۂ فیض گنجینہ میں موجود تھے۔

خدمات:

آپ نے مسند ارشاد بچھا کر خلق خدا کی رہنمائی فرمائی۔درس وتدریس اس انداز سے فرمائی کہ شاعر مشرق بھی آپ سے پڑھنے کے لیے درخواست کر بیٹھے۔جرات رندانہ ایسی کہ ۱۹۱۱ء میں جارج پنجم کے دہلی دربار کے

اجلاس میں شمولیت سے انکار کر دیا۔ مدارس کی سرپرستی فرمائی، کتب اور رسائل تحریر فرمائے۔ تقریباً نصف صدی تک شمالی پنجاب میں علم و شریعت اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا، طالبان حق اور علما و فضلا نے دور دراز سے آ کر اس چشمۂ فیض سے اپنی تشنگی بجھائی۔ آپ کو دینی مدارس کے فروغ اور ترقی سے بہت زیادہ دل چسپی تھی۔ مولانا فیض احمد صاحب لکھتے ہیں:

> دینی مدارس کی ترقی میں آپؒ کی دل چسپی اور خوشنودی کا اندازہ ان خطبات اور پیغامات سے لگایا جا سکتا ہے جو آپؒ نے بعض اوقات ان اداروں کے افتتاحی اور ہنگامی اجلاس میں تشریف لے جا کر دیئے یا لکھ کر بھجوائے اس ضمن میں زیارت شریف ضلع مشاور کے درس حنفیہ کے افتتاحی اجلاس اور انجمن نعمانیہ لاہور کے سالانہ جلسہ (دسمبر ۱۹۱۲ء) کے خطبات خاص اہمیت کے حامل ہیں۔[۱]

آپ نے گولڑہ شریف میں جب مسند ارشاد بچھائی تو علم و عرفان کے پروانے دور دور سے یہاں جمع ہونا شروع ہو گئے۔ آپ کی ابتدائی نشست گاہ پتھر کی ایک مصلہ نما سل تھی جس پر بیٹھ کر آپ نے اس وقت کے اساتذہ مدارس اور مشائخ طریقت کو مثنوی مولانا رومؒ، فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم کا درس دیا۔[۲]

آپ کو مناظرہ میں بڑا کمال حاصل تھا اور طالب علمی کے زمانے سے ہی اس میں شہرت حاصل کر چکے تھے۔ آپ کے مناظرانہ کمال اور علمی فضیلت کے بارے میں مولانا فیض احمد مرقوم ہیں:

> بحث کے دوران حضرت کے سوالات کی بندش مجیب کو متحیر کر دیتی تھی آپ کی طرف سے اعتراض کا جواب ہمیشہ فی البدیہہ اور جامع ہوا کرتا تھا۔ اکثر معترض کے سوال ہی کا کوئی پہلو گرفت میں لے کر اس طرح لوٹا دیتے تھے کہ وہ لاجواب ہو جاتا۔ عام مسائل میں سوالات اور استفتا کے جوابات اس قدر بلیغ اور تسلی بخش ہوتے کہ سائل اور حاضرین مجلس کے دلوں میں اتر جاتے۔ مقابل پر اعتراض کی یہ تحیر خیزی اور سائل پر جواب کی اثر پذیری گویا کلمو الناس علی قدر عقولهم کی تفسیر کا حکم رکھتی تھی۔ جب گفتگو مناظرانہ رنگ اختیار کر لیتی تو تحقیق حق اور ابطال باطل کی گرم جوشی میں تسبیح ہاتھ سے رکھ دیتے اور آستین چڑھا لیتے پھر کیا تھا موج در موج دلائل کا ایک سمندر جاری ہو جاتا۔[۳]

مناظروں کے علاوہ آپ کی تصانیف علم و ادب میں بلند مقام رکھتی ہیں۔

۱۔ ''تحقیق الحق فی کلمۃ الحق'' ۱۸۹۷ء میں فارسی زبان میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب اپنے لطیف مسائل ، دقیق مباحث اور عظیم علمی کردار کے باعث اسلامی دنیا میں مشہور ہے۔ اس کا ۱۹۶۲ء میں فارسی متن کے ساتھ اردو ترجمہ بھی شائع ہوا۔

۲۔ ''شمس الہدایۃ فی اثبات حیات المسیح'' ۱۹۰۰ء میں تحریر فرمائی۔ یہ معرکۃ الآرا تصنیف قادیانیت کے ابطال میں ہے، جو بڑی مدلل اور تحقیقی انداز میں ہے۔

۳۔ ''سیف چشتیائی'' ۱۹۰۲ء میں تحریر فرمائی۔ یہ کتاب آپ نے مولوی محمد احسن کی تصنیف ''شمس بازغہ'' اور مرزا قادیانی کی تصنیف ''اعجاز مسیح'' کے جواب میں لکھی۔ جس میں آپ نے متذکرہ بالا دونوں تصانیف کو دلائل کی روشنی میں باطل قرار دیا۔ یہ کتاب تحریر وتقریر کا ایک نادر شاہکار ہے۔ علم وعرفان کا خزانہ بیکراں ہے۔ معارفانہ اور محققانہ دلائل کا ایک خزانہ گراں بے بہا ہے

۴۔ ''اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان ما اھل بہ لغیر اللہ'' ۵۔۱۹۰۴ء میں تحریر فرمائی۔ یہ فارسی میں تھی بعد ازاں اردو ترجمے کے ساتھ شائع ہوئی۔ یہ علمی، مدلل اور تحقیقی انداز میں لکھی گئی ہے۔

۵۔ ''الفتوحات الصمدیہ'' ۸۔۱۹۰۷ء میں تحریر فرمائی۔ یہ کتاب غیر مقلدین کے دس سوالات کے جواب میں لکھی گئی۔ یہ سوالات بڑے ادق اور متنازعہ تھے آپ نے اپنی علمیت اور مطالعے کی بنیاد پر ان کے بڑے مدلل جوابات دیے اور ساتھ بارہ سوالات بھی ان کی خدمت میں انھیں موضوعات کے متعلق پیش کیے جن کا ہنوز جواب نہیں دیا گیا ہے۔

۶۔ ''تصفیہ مابین سنی وشیعہ'' اس تصنیف میں آپ نے خلافتِ راشدہ کی حقانیت قرآن وحدیث سے ثابت فرمائی ہے اور ساتھ ساتھ اہل بیتِ عظام کے مناقب بھی از روئے قرآن وحدیث متوازن اور مدلل انداز میں پیش کیے ہیں۔

۷۔ ''فتاویٰ مہریہ'' ۱۹۶۰ء میں پہلی بار طبع ہوئی۔ یہ آپ کے فتووں پر مشتمل ہے۔

۸۔ ''مکتوبات مہریہ'' فارسی میں طبع ہوئی۔ بعد ازاں اردو ترجمہ شائع ہوا۔ ۱۹۹۷ء میں اس کا چوتھا ایڈیشن شائع ہوا۔ یہ کتاب تصوف کے اسباق پر مشتمل ہے جن میں فصوص الحکم کا پہلا سبق، حافظ شیرازی کی پہلی غزل کی تشریح اور مثنوی مولانا روم کا خلاصہ ہے۔

۹۔ ''ہدیۃ الرسول'' ۱۹۳۷ء میں تصنیف کی گئی تھی لیکن ۱۹۹۴ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب فارسی میں ہے اور مرزا قادیانی کی تردید میں ہے۔

۱۰۔ ''مکتوبات طیبات'' دوسری بار ۱۹۹۸ء میں شائع ہوئی۔ یہ آپ کے خطوط پر مشتمل ہے، ان خطوط میں بعض منظوم ہیں اور اکثر میں کوئی نہ کوئی علمی بحث بھی ہے۔ یہ مکتوبات علمیت کے ساتھ ساتھ زبان و بیان، اسلوب تحریر اور ادبیت کی چاشنی لیے ہوئے ہیں۔

آپ کی روحانی برکات سے ہزارہا بندگان خدا ہندوستان، مصر، شام افغانستان میں فیض یاب ہو چکے ہیں۔۔۔ مذاکرہ علمیہ وفن مناظرہ میں بلند پایہ تھے۔ مفسر تھے، محدث تھے فقیہ تھے، صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔[۲۳]

سید مہر علی شاہ گولڑویؒ بحیثیت شاعر:

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی، عربی، فارسی، اردو اور پنجابی میں شعر بھی کہتے تھے۔ آپ کا تمام کلام واردات قلبی، تصوف کے اسرار و رموز جوش و جذبے اور عشق سے معمور ہے۔ مولانا فیض احمد آپ کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''آپ کا کلام جو نعت مناجات اور تصوف پر مشتمل ہے اپنی سلاست اور انوکھے انداز کی وجہ سے غلبۂ حال کا مرقع معلوم ہوتا ہے کئی طویل نظمیں فی البدیہہ لکھتے یا لکھا دیتے تھے واردات غیبی کی تاثیر سے ایک مرتبہ قافیہ و ردیف سے بے نیاز ہو کر بھی کلام ارشاد فرمایا۔۔۔ حضرت کی بعض پنجابی نظمیں قبول عام حاصل کر چکی ہیں اور بے پناہ تاثیر کی حامل ہیں۔ بالخصوص وہ نعت جس کا مطلع ہے ''اج سک متراں دی ودھیری ہے کیوں دلڑی اداس گھنیری ہے اور دو اور نعتیں ''اجے بھی اوہ پیا دسدیاں سانوں ماہی والیاں ٹاہلیاں'' دل لگڑا بے پرواہاں نال'' اس ملک میں قوالی کی جان سمجھی جاتی ہیں اور اکثر تقاریب میں اور ریڈیو پر پڑھی جاتی ہیں۔'' ۵

مفتی مشتاق احمد چشتی مرقوم ہیں:

> ''شعر و سخن ہمارے حضرت اعلیٰ قدس سرہ العزیز کا مشغلہ نہ تھا تاہم جب کبھی طبیعت ادھر آتی تو بہت اعلیٰ شعر کہتے آپ کے اشعار میں توحید، حمد باری تعالیٰ، نعت رسول مقبول ﷺ، وحدت الوجود اور فارسی غزلیات کا عمدہ نمونہ پایا جاتا ہے۔'' ۶

نمونۂ کلام

حضرت بلھے شاہؒ کے ایک بند کی زمین میں فرمایا:

کن فیکون تاں کل دی گل ہے اساں اگے پریت لگائی
توں میں حرف نشان نہ آہاں جدوں دتی میم گواہی
اجے وی سانوں اوہ پئے دسدے بیلے بوٹے کاہی
مہر علی شاہ رل تاہیوں بیٹھے جداں سک دوہاں نوں آہی ۷

ایک مرتبہ فاضل لاہوری فارسی میں ایک نظم کہ کر حضرتؒ کی خدمت میں لائے تو آپ نے انھیں یہ نعت فی البدیہہ لکھوادی

آشفتۂ مہروئے پُر نازو ستم گارم — من کشتۂ ابروئے آں دلبر عیارم
بر یاد سیہ چشمے ہمہ روز سیاہم شد — وز ناوک مژگانش صد خار بہ دل دارم
از زلف پریشانش شد خانہ بدوش من — در مصحف روئے او آیات خدا دارم

قدکان و ما معہ ما کان من الاکوان　　الآن کما کان مشہود دل زارم
تا یافتہ ام خبرے باب علوم دل　　دلدادہ بمہر آں شہ حیدرؒ کرارم ۸

اردو غزل کے چند اشعار:

دلا کس کی لگن میں پھرتا ہے　وحشی تو بن بن میں
پٹن میں، منٹگمری میں، علی حیدر کے موطن میں
یہاں لا کر کیا قائل، فسون سحر کا اپنے
کمند زلف میں، تیر مژہ میں، چشم پر فن میں
ارے ساقی تیرے ممنون ہیں سب رند و مستانے
پلا دے جام بھر کر جس سے سب غم جائیں آنن میں
نگارے والضحیٰ فوئے و واللیل سجیٰ موئے
ابھی گذرے ہیں اس راہ سے بھری خوشبو مشامن میں ۹

ایک اور کلام سے چند اشعار جو بطرز بھوپالی گائے جاتے ہیں:

جب سے لاگے تورے سنگ نین پیا　　نیند گئی آرام نہیں ساری ساری رین پیا
دکھ آئے سکھ بھاگ گئے　　سب عیش مٹا، مرا چین پیا
تن من دھن تجھ پرواروں　　وار دیوں کونین پیا ۱۰

معروف پنجابی نعت کے چند اشعار:

اج سک متراں دی ودھیری اے
کیوں دلڑی اداس گھنیری اے
لوں لوں وچ شوق چنگیری اے
　　اج نیناں لایاں کیوں جھڑیاں

مکھ طند بدر شعشانی اے
متھے چمکے لاٹ نورانی اے
کالی زلف تے اکھ مستانی اے
　　مخمور اکھیں ہن مدھ بھریاں ۱۱

اے مہرؒ سراپا!

ولادت: یکم رمضان المبارک ۱۲۷۵ھ ۱۴ اپریل ۱۸۵۹ء بمقام گولڑہ شریف

وفات: ۲۹ صفر ۱۳۵۶ھ ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء بمقام گولڑہ شریف

مرقدِ منورہ: گولڑہ شریف

کیا مرتبہ ہے مہرعلی شاہ کا بالا — ولیوں کا وہ سردار ہے، عالم کا مسیحا
وہ لختِ جگر غوث ؒ کا، وہ نور نبی ﷺ کا — نسبت مرے سلطان کی، لاریب ہے اعلیٰ
دیدارِ رخِ مہرِ علیؒ، دیدِ نبی ﷺ ہے — ہے ذاتِ خدا، رُوئے محمد ﷺ سے ہویدا
واللہ، رہی اُس کی نگاہوں میں ہمہ دم — اللہ کے محبوب کی وہ صورت زیبا
جُز نامِ خدا حرف نہ تھا جس کی زباں پر — ہے آج لبِ دہر پہ اُس شاہ کا چرچا
اک پیکرِ پُر نور تھا، وہ مہر سراپا — وہ کیف مجسم تھا دل آرا و دل افزا
یہ وہم کا پردہ جو نگاہوں سے اٹھاہ — یہ لطف ہمیں اس کا سدا یاد رہے گا [۱۲]

پیر سید غلام محی الدین بابو جیؒ (۱۸۹۱ء-۱۹۷۴ء):

آپؒ کے وصال کے بُعد آپؒ کے فرزند حضرت قبلہ بابو جیؒ نے آپ کی علمی وادبی روایت کو جاری رکھا۔ مولانا فیض احمد رقم طراز ہیں:

''خدمت دین وملت کے اہم فریضہ کی جو مستحکم بنیاد حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے رکھی تھی اس کی تعمیر ع ترقی میں آپ کے خلف الصدق قبلہ بابو جی مدظلہ العالی نے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ چنانچہ آستانہ عالیہ پر تمام علوم دینیہ کی تحصیل کے لیے قائم شدہ جامعہ غوثیہ میں ساٹھ ستر طلبا کے قیام و طعام اور تعلیمی ضروریات اور مدرسین کی کفالت کا مکمل انتظام کیا۔ تقریباً چھے ہزار مطبوعہ اور قلمی کتب پر مشتمل کتب خانہ، دارالافتا، حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی تصانیف کی اشاعت اور اعراس مبارکہ کے علاوہ محرم الحرام، میلاد شریف اور معراج شریف کی تقریبات پر اہل سنت والجماعت کے مسلک کی اشاعت کے لیے علما کرام کی تقاریر اور مجالس سماع کا آپ نے باقاعدہ انتظام کر رکھا تھا جس سے ملک بھر کے ہزاروں حاضرین مستفیض ہوتے ہیں۔''[۱۳]

پیر سید غلام محی الدین شاہؒ نہ صرف جید عالم اور راہ طریقت کے پیشوا تھے بلکہ مسلمانوں کی ملی اور قومی تحریکوں میں بھی ہمیشہ سرگرمی سے حصہ لیتے رہے ہیں۔ خاص طور پر قیام پاکستان کے سلسلے میں انھوں نے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ جہاد کشمیر کے موقع پر ہر قسم کا تعاون فرمایا ۱۹۶۵ کی جنگ میں بنفس نفیس تشریف لے گئے اور مجاہدین کی ہر قسم کی معاونت فرمائی۔ تحریک ختم نبوت میں بڑا بھرپور کردار ادا کیا۔

مولانا مشتاق احمد چشتی نے آپ کی سوانح مبارکہ ''ضیائے مہر'' میں آپ کے مکتوبات کے لیے ایک

باب مختص کیا ہے ان مکتوبات کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ اعلیٰ پائے کی تحریر پر بھی عبور رکھتے تھے یہ خطوط جہاں علم کا مرقع ہیں وہیں بڑی عمدہ ادبی شان بھی رکھتے ہیں۔ بقول مفتی مشتاق احمد چشتی:

> ''آپؒ کی زبان سے ادا کیا ہوا ہر لفظ علم و حکمت کا بیش بہا خزانہ تھا اور آپ کے قلم سے نکلا ہوا ہر جملہ رشد و ہدایت کے بے مثل درس کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ کہنا بجا ہوگا کہ آپؒ کی زندگی ایک عظیم کتاب تھی ، جس کا ہر ورق افکار عالیہ کا درخشاں باب تھا۔ آپ نے زبان و بیان کے علاوہ اپنے متعلقین و مخلصین کو وقتاً فوقتاً جو مکتوبات لکھے ہیں وہ دینی تعلیمات کا ایک انمول خزانہ ہیں۔۔۔ان خطوط کے مطالعے سے اس بات کا اندازہ لگانا آسان ہے کہ آپؒ کو حضرت مولانا رومؒ سے گہری اور لازوال محبت تھی ، اکثر خطوط میں ان کے اشعار کا حوالہ دیا ہے۔''[۱۴]

حضرت غلام معین الدین گیلانی عرف لالہ جیؒ (۱۹۲۰ء۔۱۹۹۷ء)

آپ کے وصال کے بعد حضرت غلام معین الدین گیلانیؒ عرف لالہ جیؒ نے بزرگوں کے کام کو آگے بڑھایا۔ لنگر کا انتظام کیا، مدرسے کی سرپرستی فرمائی۔ سیدہ کے نکاح کے حوالے سے تمام مفتیان کے فتاویٰ شائع کرائے۔ درگاہ شریف کے بارے میں آئین و دستور مرتب کیا۔ مولانا جی اے حق لکھتے ہیں:

> ''سلف صالحین کی درخشندہ روایات کے مطابق آپ نے زندگی کی آخری سانس تک تمام متعلقین کا پورا پورا خیال رکھا بلکہ پورے ملک و ملت کی بھلائی کے لیے فکر مند رہے اور حتی المقدور عملی اقدامات کیے۔''[۱۵]

''فرمودات مسافر چند روزہ'' میں آپ کے تعلیمی مراحل کے حالات اور آپ کی زندگی کی اہم خدمات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ آپ بڑے نغز گو شاعر بھی تھے۔ فارسی اور اردو میں توحید باری تعالیٰ ،نعت رسول مقبول ،منقبت کے علاوہ بڑی عمدہ غزلیات بھی لکھیں آپؒ کا کلام اسرار المشتاق کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ آپ کے کلام میں وحدت الوجود کی ضیاباریاں، عشق رسول کی جلوہ انگیزیاں ، پیرو مرشد سے محبت کی قندیلیں روشن ہونے کے علاوہ یہ کلام فنی لحاظ سے بھی بڑا پختہ ہے۔ عمدہ الفاظ ، نادر تراکیب ،تشبیہات و استعارات کا برجستہ استعمال ،غنائیت اور موسیقیت ، زبان و بیان کی سادگی اور عمدہ اسلوب آپ کے کلام کی شان ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔ ایک نعت کا رنگ دیکھیے:

میرا دل اور مری جان مدینے والے — تیرے صدقے تیرے قربان مدینے والے
تیرے دربار کی وہ شان مدینے والے — ہیں ملائک تیرے دربان مدینے والے
مدح خواں ہے تیرا رحمان مدینے والے — تجھ پہ نازل ہوا قران مدینے والے
تیرے در کے جو ہیں دربان مدینے والے — وہ حقیقت میں ہیں سلطان مدینے والے

تیرے دربار سے ملتی ہے ہر اک دکھ کی دوا ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ تُو ہے ہر درد کا درمان مدینے والے

آرزو ہے یہی مُشتاق کی بس حشر کے دن

ہاتھ میں ہو ترا دامان مدینے والے[۱۶]

ایک منقبت کے چند اشعار:

سُنانے ہجر کا سب ماجرا غریب نواز ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ کھڑا ہے دیر سے بندہ ترا غریب نواز

نہیں ہے جس کا کوئی اوراس زمانے میں ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ وہ میں غریب ہوں اور بے نوا غریب نواز

گل مُراد سے دامانِ آرزو بھر دے ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ کھڑا ہے در پہ یہ سائل ترا غریب نواز

نہ سلطنت کی تمنا ہو پھر نہ خواہش جاہ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ بنوں جو در کا تمھارے گدا غریب نواز

مدد کو آیئے للہ ہم غریبوں کی ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ مصیبتوں کی نہیں ہوتی انتہا غریب نواز

نہیں سنبھالنے والا تیرے سوا کوئی ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ بڑھاؤ دستِ مدد اب ذرا غریب نواز

اِسی اُمید میں در پر ترے کھڑا ہوں مَیں ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ کہ کچھ نہ کچھ تو کریں گے عطا غریب نواز

لبِ سوال کے بوسے مُراد لیتی ہے

پکارتا ہے جو مُشتاق یا غریب نواز[۱۷]

ایک اردو غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

پھراتا در بدر ہے کو بکو دردِ جگر مجھ کو ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ٹھہرتا ہے تو پہنچا کر اسی ظالم کے گھر مجھ کو

تیری فرقت میں اب جینا گراں ہے اس قدر مجھ کو ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ کہ مرنے کی دوا دیتے ہیں میرے چارہ گر مجھ کو

یہی میری جبین شوق ہے تو دیکھنا واعظ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ کسی کا نقش پا لے آئے گا خود راہ پر مجھ کو

جہاں تک ضبط ممکن تھا کیا میں نے مگر اب تو ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ کرے گی چار سو رسوا یہ میری چشم تر مجھ کو

تیری دزدیدہ نظروں کی صفائی تو کوئی دیکھے ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ کہ دل پہلو سے غائب اور نہیں اصلاً خبر مجھ کو

کسی کی جستجو میں آپ ہی میں کھو گیا ایسا ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ کہ اب مشتاق مدت سے نہیں اپنی خبر مجھ کو [۱۸]

فارسی کا رنگ ملاحظہ ہو:

یا محمد پیش تو روئے سیاہ آوردہ ام ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ دل سیاہ آوردہ ام حال تباہ آوردہ ام

عاصیم من مجرم و شرمندہ ام درماندہ ام ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ یا محمد بر درت بار گناہ آوردہ ام

نیست ملجا نیست ماوئی جز درِ تو ہیچ در ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ من بذات پاک تو واللہ پناہ آوردہ ام

صد ہزاراں اولیاء اقطاب اینجا حاضراند ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ من بدرگاہت وسیلہ مہر شاہ آوردہ ام [۱۹]

پیر حضرت عبدالحق (۱۹۲۶ء)

حضرت غلام معین الدین گیلانی عرف لالہ جیؒ کے وصال کے بعد چھوٹے لالہ جیؒ نے سارا کام سنبھالا اور اس سلسلہ فیض کو جاری رکھا۔ آپؒ نے لالہ جیؒ کا کلام اور ان کی سوانح شائع کرائی اس کے علاوہ بھی کئی علمی وادبی اہمیت کی حامل کتب آپ نے شائع کرائیں مثلاً: مدرسہ اور لنگر کی سرپرستی فرمائی۔ مفتی مشتاق احمد چشتی مرقوم ہیں:

> ''درگاہ عالیہ پر دینی تعلیم کی اشاعت کا جو سلسلہ حضرت اعلیٰؒ کے زمانے سے شروع ہوا تھا وہ آج بھی بدستور جاری ہے اور حضرت شاہ عبدالحق مدظلہ العالی اس کے تمام امور کی بطور خاص نگرانی فرماتے ہیں تاکہ بزرگوں کے قائم کردہ صدقہ جاریہ سے زیادہ سے زیادہ افراد فیض یاب ہوسکیں۔۔۔آپ بفضلہٖ تعالیٰ خاندانی وجاہت وکمال کے آئینہ دار ہیں۔ان تمام اوصاف وفضائل کے مظہر ہیں جو خاندان مہریہ کے طرہ امتیاز ہیں۔'' [۲۰]

پیر نصیر الدین نصیرؒ (۱۹۴۹ء)

پیر حضرت عبدالحقؒ کے وصال کے بعد لالہ جیؒ کے فرزند پیر نصیر الدین نصیر اور آپ کے فرزند سید غلام معین الحق گیلانی نے علمی وادبی روایت کو آگے بڑھایا حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض وبرکات آج بھی تشنگانِ بادۂ معرفت کی پیاس بجھا رہے ہیں۔ پیر نصیر الدین نصیر اسی غوثیہ، چشتیہ، نظامیہ خانوادے کے نہ صرف چشم وچراغ ہیں، بلکہ شعر وادب اور علم وفضل کے حوالے سے وہ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ کے حقیقی جانشین بھی دکھائی دیتے ہیں۔آپ جید عالم ہونے کے ساتھ بڑے قادر الکلام شاعر بھی تھے۔آپ کی تصانیف آپ کی علمیت اور ادبیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

نثر میں ان کی تحقیق اور علمیت کی شاہکار تصنیف ہیں: ۱۔نام ونسب ۲۔راہ ورسم منزل ہا ۳۔امام ابو حنیفہ اور ان کا طرز استدلال ۴،اعانت واستعانت کی شرعی حیثیت ۵۔لطمۃ الغیب علیٰ ازالۃ الریب

شاعری میں ان کے شاہکار مجموعے ہیں: ۱۔ رنگ نظام ۲۔دین ہمہ اوست ۳۔فیض نسبت ۴۔آغوش حیرت ۵۔پیمان شب ۶۔دست نظر ۷۔عرش ناز ۸۔الرباعیات المدحیہ فی حضرت القادریہ۔

اس کے علاوہ ان کے مطبوعہ مقالات بھی تحقیق ،علمیت ادبیت اور اسلوب کے لحاظ سے اہمیت رکھتے ہیں۔

حضرت عبدالحق کی شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر توصیف تبسم رقم طراز ہیں کہ:

> ''فارسی رباعیات پر مشتمل اُن کا مجموعہ ''آغوش حیرت'' کے نام سے سامنے آچکا ہے، جب کہ اُن کے دوسرے مجموعہ ہائے کلام ''دیں ہمہ اُوست''،''فیض نسبت'' اور ''عرش ناز'' میں بھی جزوی طور پر

اُن کا فارسی کلام شامل ہے۔ پیر نصیر کے ادبی مزاج میں چوں کہ کلاسیکیت رچی بسی ہے، اِس لئے اُن کی اُردو غزل بھی اِس وصف سے خالی نہیں؛ جب ہم اُن کی اُردو غزل کو پڑھتے ہیں تو وہ ،میں اُس روایت کا ایک حصہ محسوس ہوتی ہے، جو میر و غالب سے ہوتی ہوئی ہم تک پہنچتی ہے۔ اُردو کے بعض جدید غزل گو شعراء نے غزل کی لفظیات و اسالیب بیان میں تجربات کر کے اس کو نیا رنگ و آہنگ دینے کی سعی ضرور کی۔ بعض صورتوں میں تو صرف غزل کی ہیئت ہی باقی رہ گئی اور غزل کی وہ روح ختم ہوگئی، جس کو تغزل کا نام دیا گیا ہے۔ اِن کوششوں کے باوجود ہمارے یہاں ایک ایسا طبقہ ہر وقت موجود رہا ہے، جس کا تصوّرِ تغزّل اور طرزِ احساس وہی کچھ رہا ہے، جس کو ہر زمانہ میں شاعری سے لطف اندوز ہونے والوں کی اکثریت پسند کرتی رہی ہے۔ نصیر الدین نصیر کی اُردو غزل میں مضامین تو بیشتر وہی ہیں، جن کا اظہار عہد بہ عہد تغزّل پسند شاعر کرتے رہے ہیں۔ بہ اعتبارِ مضامین نصیر صاحب اُردو غزل کے کلاسیکل دائرے سے قدیم باہر رکھنا پسند نہیں کرتے۔ خیال رہے کہ کلاسیکی سے ہماری مُراد قدیم یا فرسودہ شاعری ہرگز نہیں، بلکہ شاعری کی ایسی زندہ و توانا روایت ہے، جس کو ہر دَور میں شدّ و مد سے پسند کیا جاتا رہا ہے۔ تغزّل سے مُراد چند وہ خاص پابندیاں ہیں، جن سے عہدہ برآمد ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے شاعر شعر کہتے ہوئے جس قدر قدغن خود پر لگاتا ہے، اُس کا کام اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ پیر نصیر روایتی مضامین کو محض دہراتے نہیں، بلکہ تغزّل کی فنی و لسانی پابندیوں میں رہتے ہوئے، اُن کی فکر اُس خاص مضمون کا کوئی نہ کوئی ایسا رُخ تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے کہ شعر میں بار بار کہی ہوئی بات میں بھی ایک تازگی اور لطف خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔''[۲۱]

پیر نصیر الدین نصیر کے کلام میں تصوف کے اسرار و رموز، عشق کی گلکاریاں، عصری مسائل کے ساتھ ساتھ لہجے کا حسن، الفاظ کا باسلیقہ استعمال، مکالماتی حسن، شوخیٔ طبع اور لفظی صنعت گری بھی موجود ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

اسی باعث قلم سے وصف کرتے ہیں رقم تیرا — نہایت پُر خطا ہیں، نام لیں کس منہ سے ہم تیرا
یہ ماضی، حال، مستقبل فقط کہنے کو ہیں میرے — ازل تیرا، ابد تیرا، یہ موجود و عدم تیرا
الہُ العالمین تُو ہے، بشر تیرے، مَلک تیرے — زمین تیری، فلک تیرا، عرب تیرا، عجم تیرا
بجز تیرے نہیں کوئی بھی میرا دین و دنیا میں — دو عالم میں سہارا ہے مجھے تیری قسم، تیرا
کسی کے حُسنِ نادیدہ کی جانب اک اشارہ ہے — گلستان میں یہ اک جھونکا نسیمِ صبح دم تیرا [۲۲]

تجھ سا نہ تھا کوئی، نہ کوئی حسین کہیں — تُو بے مثال ہے ترا ثانی نہیں کہیں

اپنا ، جنوں میں مدِ مقابل نہیں کہیں دامن کہیں ہے ، جیب کہیں ، آستیں کہیں
زاہد کے سامنے ہو جو وہ نازنیں کہیں دل ہو کہیں حضور کا ، دنیا و دیں کہیں
اک تیرے آستاں پہ جھکی ہے ہزار بار ورنہ کہاں جھکی ہے ہماری جبیں کہیں
دل کا لگاؤ ، دل کی لگی ، دل لگی نہیں ایسا نہ ہو کہ دل ہی لٹا دیں ہمیں کہیں
کیا کہیئے کس طرف گئے جلوے بکھیر کر وہ سامنے تو تھے ابھی میرے یہیں کہیں ۲۳

ظفر قادری آپ کی شاعری میں ''نگینوں کی تلاش'' کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ:

''وہ خانقاہی نظام جس نے اسلامیان پاک و ہند کو جادۂ حق پر مضبوط قدموں سے چلنا سکھایا، آج اس کی اپنی چال میں لڑکھڑاہٹ سی محسوس ہوتی ہے۔ان حالات میں جب نصیر جیسا جوان رعنا شعر و سخن کی وادیوں میں پھول کھلاتا اور علم وتصوف کے بحرِ عمیق میں غوطے لگاتا نظر آتا ہے تو ٹوٹی آس بندھنے لگتی ہے اور اندر سے آواز آتی ہے۔ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں یا پھر (اقبالؒ) دروازۂ دل پر دستک دیئے ہوئے کہتا ہے۔

مرا سبوچہ غنیمت ہے اس زمانے میں
کہ خانقاہ میں خالی ہیں صُوفیوں کے کدُو'' ۲۴

احمد ندیم قاسمی کے مطابق:

''سید نصیر صاحب اس لحاظ سے بھی داد وستائش کے مستحق ہیں کہ فارسی شاعر ہونے کے باوجود انھوں نے فارسی پر اپنی دسترس کو اپنی اردو غزلوں کے شاید کسی شعر پر مسلط ہونے دیا ہو جب کہ ابتدا میں مرزا غالب تک اس کمزوری کی زد میں آ گئے تھے۔اس لئے ان غزلوں کی سلاست اور ساتھ ہی بلاغت میرے نزدیک حیرت انگیز بھی ہے اور مسرت بخش بھی۔'' ۲۵

ڈاکٹر سید عبداللہ مرقوم ہیں کہ:

''نصیر گولڑوی کی غزلیات میں بھی ردیفوں کی شان پائی جاتی ہے۔خصوصاً لمبی ردیفوں میں نسبتاً بیان اور موسیقی دونوں برنگِ خاص نمایاں ہیں۔نصیر الدین نصیر کے یہاں نکات بکثرت ہیں۔جن میں زندگی کی حقیقتوں اور قلبِ انسانی کی لطافتوں کو بہ اندازِ خوش کھپایا گیا ہے۔زبان کی شیرینی اور بیان کی خوبی اس پر مستزاد ہے۔عالم شباب میں کسی کی اتنی پختہ شاعری میں نے بہت کم دیکھی اور پڑھی ہے۔'' ۲۶

رئیس امروہوی رقم طراز ہیں کہ:

''بلاشبہ پیر سید نصیر الدین نصیر سلمہ اللہ تعالیٰ کو فقیری میں تاجداری میسر ہے۔عجیب بات ہے کہ کسی زمانے میں خدامست درویشوں کے حجرے اور حق پرست بزرگوں کی خانقاہیں، شعر وسخن، نکتہ سنجی و

بذلہ طرازی، تخیل آفرینی اور معنیٰ پژوہی کے مدرسے سمجھے جاتے تھے۔مولنا رُومؒ سے لے کر حضرت مرزا عبدالقادر بیدلؔ تک عرفاء کا ایک طویل سلسلہ ہے، جس نے فارسی شاعری کو چار چاند لگا دیئے اور شعر کے پردے میں وہ نِکات و رُموز بیان کئے کہ اُن کی تفسیر کے لئے دفتر کے دفتر ناکافی ہیں،لیکن آج بالعموم ہم یہ بات نہیں پاتے، ''کس بمیداں در نمی آید سواراں راچہ شد' خانقاہوں کی رُوحانی پژمردگی کے اس افسردہ کُن عالم میں صاحبزادہ موصوف کی ذاتِ گراں مایہ سلامت رہے کہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں کو اپنے جواہرِ فکر و تخیل سے ثروت مند بنا رہے ہیں۔ان کی غزل کا مجموعہ ''پیمانِ شب'' اپنی تازہ بیانی، تخیل کی طرفگی، جذبات کی نفاست اور احساسات کی لطافت کے سبب اِن شاءاللہ ایک مقبول و دل پسند مجموعۂ سخن ثابت ہوگا۔''[۲۷]

ترے پند و نصیحت محتسب وہ کیا سمجھتے ہیں — قیامت کو، جو اُن کا وعدۂ فردا سمجھتے ہیں
نہیں ہے احتیاجِ لب کشائی رُوبرو اُن کے — کہ اہلِ دل، زبان دیدۂ بینا سمجھتے ہیں
جو گُل کے آئینے میں دیکھ سکتے ہیں رُخِ گلشن — وہ اربابِ نظر، قطرے کو بھی دریا سمجھتے ہیں
کوئی در پردہ کس دے چل رہا ہے کون سی چالیں — سمجھ ہر چند ناقص ہے، مگر اتنا سمجھتے ہیں
نہ پوچھو کچھ کہ کیا کچھ دے دیا ہے دینے والے نے — بڑا ہو لاکھ کوئی، ہم کسی کو کیا سمجھتے ہیں
بہ ظاہر خوش تھے جو کل تک ہماری گل فشانی پر — وہ اپنے بھی ہمیں اب راہ کا کانٹا سمجھتے ہیں [۲۸]

نہ ہوائے عیش و نشاط میں مجھے سیم و زر کی تلاش ہے — جو سکونِ قلب عطا کرے، مجھے اُس نظر کی تلاش ہے
جو ہے قبلہ گاہِ نگاہ و دل، اُسی سنگِ در کی تلاش ہے — جو تیرے حُضور جُھکا رہے، مجھے ایسے سر کی تلاش ہے
ہمیں دردِ دل جو عطا ہُوا تو نوائے عشق کی لے مِلی — اِسے کھوئیں گے نہ کسی طرح، یہ تو عمر بھر کی تلاش ہے
اسی کشمکش میں ہے زندگی اسی ردّ و کد میں ہے آدمی — کبھی دردِ دل کی ہے آرزو، کبھی چارہ گر کی تلاش ہے
ترے حُسن سے جو طلوع ہو، ترے نُور سے جو شروع ہو — مجھے ایسی ضَو کی ہے جُستجو، مجھے اُس سَحَر کی تلاش ہے [۲۹]

سید غلام معین الدین جامی

آپ بھی اپنے بزرگوں کی علمی و ادبی روایات کو آگے بڑھانے میں بڑا اہم کردار ادا کر رہے ہیں ۔عالم و فاضل ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے عمدہ شاعر ہیں۔آپ کی مطبوعہ معروف کتب یہ ہیں: ۱۔جان آرزو، ۲۔عنوان آرزو، ۳۔یادوں کے دریچے، ۴۔ریاض المناقب

ڈاکٹر عاصی کرنالی فرماتے ہیں:

جامیؔ گیلانی کا یہ ذخیرۂ رباعیات بھی، جیسا کہ میں نے ابتدا میں عرض کِیا، قابلِ قدر ہے اور آئندہ

بھی۔وہ نت نئی رباعیاں تصانیف لائیں گے، خوب سے خوب تر کی صورت میں زیادہ اعتبار و افتخار کا موجب ہوں گی۔ مشق و مہارت میں اضافہ ہوگا تو اُن کا تخلیقی حُسن زیادہ دل کش اور دل کشائی کے ساتھ اہلِ ذوق کے دلوں کا شکار کرے گا، اِس خوبصورت اور خوب سیرت تخلیقی کاوش پر میَں اُنھیں مبارک باد پیش کرتا ہوں آخر میں صرف چار رباعیات، اُن کے تخلیقی حُسن کی چار تجلیات کے طور پر زینتِ قرطاس کرتاہُوں:

یاالہ العالمین

اے کاسۂ حاجات کے بھرنے والے   اب دیکھ نہ اعمال کے دفتر کالے
امداد مری کر کہ مصیبت میں ہُوں   ہے تیرے سوا کون جو آفت ٹالے

بزمِ تحیّر

ہر نقشِ دوئی دل سے مٹا بیٹھے ہی   لو ذاتِ حقیقی سے لگا بیٹھے ہیں
دنیا نظر آتی ہے نظر کا دھوکا   کس بزمِ تحیر میں ہم آبیٹھے ہی

مزہ آجاتا

لب پر کوئی حرفِ مدعا آجاتا   یوں سامنے منظرِ وفا آجاتا
آجاتے دمِ نزع جو وہ بالیں پر   عشاق کو مرنے کا مزا آجاتا

جامی!

گردابِ مصائب سے نکالو خودکو   دانائی سے لو کام، سنبھالو خود
ہمت ہے تو حالات بدل دو جامیؔ!   حالات کے سانچے میں نہ ڈھالو خودکو ۳۰

''خانوادۂ عالیہ مہریہ کے چشم و چراغ اور گرامی مرتبت پیر سید نصیر الدین گیلانی المتخلص نصیؔر صاحب سجادۂ گولڑہ شریف کے باغِ دانش و آگہی کے گل نوخیز و سرسبد سید غلام نظام الدین جامیؔ گیلانی قادری کی رباعیات کا انتخاب ''عنوان آرزو'' پیشِ نظر ہے اور دل بصد اخلاص و عجز اللہ رب العزت کی بارگاہ میں سراپا سپاس ہوکر دعا گو ہے کہ خداوند کریم توفیق ارزانی فرمائے۔ جامیؔ گیلانی نے ''عنوان ِ آرزو'' کے تحت جن موضوعات کو موضوعِ سخن کے طور پر لیا ہے وہ کم و بیش وہی ہیں جو زاویہ معرفت اور دبستان تصوف سے علاقہ رکھنے والوں کے ہمیشہ پیشِ نظر رہتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ جس صناعی اور ہنروری کے ساتھ عزیزم جامیؔ گیلانی نے رباعیات نظم کی ہیں وہ کچھ اُنھی کو زیبا ہے۔ ''عنوانِ آرزو'' کے پدرِ ذی وقار پیر سیّد نصیر الدین گیلانی المتخلص نصیؔر کی رباعیوں کی یاد دلاتی ہیں۔ ''پسر تمام کند'' کہنا تو بڑی جسارت بلکہ بے ادبی ہوگی مگر سچی بات یہ ہے کہ علوِّ مضامین اور مقامِ فکر کے اعتبار سے پیر سیّد نصیر الدین گیلانی المتخلص نصیؔر کی رباعیوں کا مرتبہ کہیں ممتاز و بلند ہے مگر

سلامت و روانی اور اخلاص و سادگی کے اعتبار سے ''عنوانِ آرزو'' کی رباعیاں اُسی روایت کی ایک توسیع نظر آتی ہیں میں تو کیا خود پیر سیّد نصیر الدین گیلانی المتخلص نصیؔر نے اس کی داد دی ہوگی کتاب کے نصفِ آخر میں حکمت کی باتیں کی گئی ہیں اُردو میں انیس و دبیر، امجد و یگانہ جوش و فراق سے ہوتی ہوئی رباعی جس منزل تک پہنچی ہے اور اقبال کی رباعیاں جنھیں آپ دوبیتیاں کہنا چاہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں، اُن کا اپنا ایک مقام ہے اُس میں ہر موڑ پر حکمت آگہی کے مضامین نظم کیے گئے ہیں اِس میدان میں بھی جامؔی گیلانی کی رباعیاں ایک جداگانہ ذائقہ رکھتی ہیں اور بلاشبہ ہر اعتبار سے لائقِ تحسین و ستائش ہیں نوجوان قلم کار کا پہلا قدم جب ایسا ہے تو یقین کیا جانا چاہیے کہ بشرطِ اخلاصِ فن، آنے والی کتابیں ایک بڑے شاعر کے امکان کی گواہی دیں گی۔''[۳۱]

رباعیات کے علاوہ آپ کا ایک مجموعہ ''مناقب'' شائع ہو چکا ہے۔ آپ کی لکھی ہوئی منقبت کے بارے میں شوکت واسطی لکھتے ہیں کہ:

''غزل میں بھی باکمال دادِ سخن دیتے ہیں۔ اُن کی خوبصورت غزلوں کی کتاب ''یادوں کے دریچے'' بھی حال ہی میں منصۂ شہود پر آئی ہے۔ اِس دیوان کے مطالعے سے مکمل نزاکتِ تغزل کا اندازہ ہوتا ہے۔ غزل کے مضامین عشقِ مجازی اور عشقِ حقیقی سے مرکب ہیں۔ ''ریاض المناقب'' میں اُن مردمِ عارف کی منقبتیں مرتب کی گئی ہیں جو حسنِ صدناز و عشقِ دل گداز کے اسرار و رموز کے نکات سمجھاتے تھے، دل کی باتیں سناتے تھے۔ حسنِ حقیقی اور عشقِ حقیقی کا انکشاف فرماتے تھے، مزید برآں وہ انسانیت، اخوت اور بے لوث محبت کی تبلیغ کرتے تھے۔ بدیں وجہ وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ پیر صاحب قبلہ کی شعری کوشش و کاوش پر مشتمل ہر تصنیف نفسِ مضمون کے اعتبار سے متفاوت سہی مگر اِس کے باوصف یہ الگ الگ بطورِ خاص قبولِ خاطر سے سرفراز ہوں گی اور جملہ ادبی و مذاہبی مرکزوں اور حلقوں میں بہ نظرِ استحسان و پسندیدگی ملاحظہ و مطالعہ کی جائیں گی۔''[۳۲]

حواشی:

۱۔ مولانا فیض محمد فیض، ''مہر منیر''، لاہور پرنٹنگ پروفیشنلز: بار دوازدہم ذیقعد ۱۴۲۷ھ / دسمبر ۲۰۰۶ء، ص ۴۷

۲۔ ایضاً، ص ۱۴۱۔

۳۔ ایضاً، ص ۱۴۷۔

۴۔ ایضاً، ص ۴۱۹۔

۵۔ ایضاً، ص ۳۴۰۔

۶۔ ایضاً، ص ۴۸۹۔

۷ مفتی مشتاق احمد چشتی، ''آئینہ معرفت''، دی ہاک پرنٹرز، ملتان، س ن، ص ۴۔
۸ مفتی مشتاق احمد چشتی، ''مراۃ العرفان''، گولڑہ شریف، طبع دوم، ۱۹۸۶ء، ص ۲۔
۹ ایضاً، ص ۵۔
۱۰ ایضاً، ص ۱۲۔
۱۱ ایضاً، ص ۱۹۔
۱۲ ریاض المناقب، ص ۵۷۔۵۶
۱۳ مہر منیر۔ ص ۳۷۹
۱۴ مفتی مشتاق احمد چشتی، ''ضیائے مہر''، مکتبہ درگاہ عالیہ، گولڑہ شریف، اسلام آباد، س ن، ص ۲۲۹۔
۱۵ ایضاً، گولڑہ شریف، طبع سوم، ۱۴۲۷ھ، ص ۹۔
۱۶ ایضاً، ص ۲۷۔
۱۷ ایضاً، ص ۴۴۔
۱۸ ایضاً، ص ۵۴۔
۱۹ ایضاً، ص ۳۴۔
۲۰ مفتی مشتاق احمد چشتی، ''ضیائے مہر''، مکتبہ درگاہ عالیہ، گولڑہ شریف، اسلام آباد، ص ۵۲۔
۲۱ پیر نصیر الدین نصیر، ''دست نظر'' (دیباچہ)، مہریہ نصیریہ پبلشرز، گولڑہ شریف، طبع چہارم، ۲۰۰۰ء، دیباچہ
۲۲ ایضاً، ص ا۔
۲۳ ایضاً، ص ۱۳۸۔
۲۴ پیر نصیر الدین نصیر، ''پیمان شب'' (دیباچہ)، مہریہ نصیریہ پبلشرز، گولڑہ شریف، طبع چہارم، ۲۰۰۰ء، دیباچہ
۲۵ ایضاً، پیمان شب کا ایک تاثر، مشمولہ ''پیمان شب''۔
۲۶ ایضاً، غزلیات نصیر گولڑوی۔ مشمولہ ''پیمان شب''۔
۲۷ ایضاً، تقریظ، مشمولہ ''پیمان شب''۔
۲۸ ایضاً، ص ا۔
۲۹ ایضاً، ص ۱۵۱۔
۳۰ غلام معین الدین گیلانی، ''آرزو''، مکتبہ مہریہ نصیریہ، گولڑہ شریف، طبع دوم ۲۰۰۰ء، ص، ر۔ت۔
۳۱ ایضاً، ص، ث۔ذ۔
۳۲ غلام معین الدین گیلانی، ''ریاض المناقب''، بزم علم وفن، اسلام آباد، ۲۰۰۳ء، ص ن۔

فہرستِ اسنادِ محولہ:

۱۔ چشتی، مشتاق احمد، مفتی: سن ندارد، ''آئینہ معرفت''، دی ہاک پرنٹرز، ملتان۔

۲۔ چشتی، مشتاق احمد، مفتی: ۱۴۲۷ھ، ''اسرار المشتاق''، طبع سوم، مکتبہ درگاہ عالیہ، گولڑہ شریف، اسلام آباد۔

۳۔ چشتی، مشتاق احمد، مفتی: سن ندارد، ''ضیائے مہر''، مکتبہ درگاہ عالیہ، گولڑہ شریف، اسلام آباد۔

۴۔ چشتی، مشتاق احمد، مفتی: ۱۹۸۶ء، ''مراۃ العرفان''، طبع دوم، مکتبہ درگاہ عالیہ، گولڑہ شریف۔ اسلام آباد۔

۵۔ فیض محمد فیض، مولانا: ۲۰۰۶ء، ''مہر منیر''، بار دوازدہم، پرنٹنگ پروفیشنلز، لاہور۔

۶۔ گیلانی، غلام معین الدین: ۲۰۰۰ء، ''عنوان آرزو''، طبع دوم، مکتبہ مہریہ نصیریہ، گولڑہ شریف، اسلام آباد۔

۷۔ گیلانی، غلام معین الدین: ۲۰۰۳ء، ''ریاض المناقب''، بزم علم وفن، اسلام آباد۔

۸۔ نصیر الدین نصیر، پیر: ۲۰۰۰ء، ''پیمان شب'' (دیباچہ) طبع چہارم، مہریہ نصیریہ پبلشرز، گولڑہ شریف، اسلام آباد۔

۹۔ نصیر الدین نصیر، پیر: ۲۰۰۰ء، ''دست نظر'' (دیباچہ) طبع چہارم، مہریہ نصیریہ پبلشرز، گولڑہ شریف، اسلام آباد۔